اصولیین کے نزدیک حروف عطف اور تفسیر قرآن
(فا، ثم، بل، لکن، أو اور حتیٰ کی مباحث)

حافظ عبداللہ*

حروف کی دو اقسام ہیں ایک حروف مبانی اور دوسری حروف معانی۔ حروف مبانی وہ ہیں جن سے کلمہ یا لفظ مرکب ہوتا ہے لیکن وہ خود کلمہ یا لفظ نہیں ہوتے جیسے زید میں ز۔ی۔د حروف مبانی ہیں کہ ان سے لفظ زید مرکب ہے لیکن یہ حروف علیحدہ علیحدہ خود کلمہ یا لفظ نہیں ان کو حروف تہجی اور حروف الہجاء بھی کہتے ہیں۔

حروف کی دوسری قسم حروفِ معانی ہیں اور یہ اسم اور فعل کے مقابلہ میں آتے ہیں۔ اور یہ خود کلمات ہیں لیکن اپنے معنی میں دوسرے کلمات کے محتاج ہوتے ہیں یہی حروف ہیں جو افعال کے معانی اسماء تک پہنچاتے ہیں حروف کی یہی وہ قسم ہے جس سے علماء نحو بحث کرتے ہیں۔

علامہ ابن عقیل ''الفیہ ابن مالک'' کی شرح میں کلمہ، اسکی اقسام، اسم اور فعل کی تعریف کرنے کے بعد حرف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وان لم تدل علی معنی فی نفسها. بل فی غیرها. فهی الحرف.''(۱)

''اگر چہ وہ اپنے معنی پر بذات خود دلالت نہیں کرتا لیکن اپنے غیر پر معنوی دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی حرف ہے۔''

علامہ جرجانی علماء نحو کی اصطلاح ''حرف'' کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

''ما دل علی معنی فی غیره.'' (۲)

''جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتے۔''

علامہ سیوطیؒ ''الاشباہ والنظائر فی النحو'' میں فرماتے ہیں:

''واما حد حروف المعانی وهو الذی یلتمسه النحویون فهو ان یقال الحرف ما دل علی معنی فی غیره نحو من والی و ثم، وشرحه ان (ان) تدخل فی الکلام للتبعیض فهی تدل علی تبعیض غیرها لا علی تبعیضها نفسها وکذلک اذا کانت لابتداء الغایة کانت غایة غیرها. وکذلک سائر وجوهها وکذلک (الی) تدل علی المنتهی فهی تدل علی منتهی غیرها لا علی منتهی نفسها، وکذلک سائر حروف المعانی.'' (۳)

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

''جہاں تک حروف معانی کی تعریف کا تعلق ہے تو یہ وہ حروف ہیں جس سے نحویوں نے مراد لی ہے کہ یہ وہ حروف ہیں جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً من، الیٰ اور ثم وغیرہ۔اس کی تشریح یہ ہے کہ حرف 'من' کسی بھی کلام میں تبعیض کے لیے آتا ہے لیکن یہ تبعیض اس کے غیر کی ہوتی ہے نہ کہ حرف 'من' کی اپنی تبعیض ہوتی ہے اسی طرح یہ ابتداءِ غایت کے لیے آئے تو دوسرے کی غایت بتانے کے لیے ہوگا۔یہی صورت اس کی تمام وجوہ کی ہے۔حرف الیٰ انتہاء پر دلالت کرتا ہے اور یہ انتہاءِ غیر پر دلالت ہوتی ہے نہ کہ الیٰ کی اپنی ذات کے منتہاء پر دلالت۔تمام حروف معانی اسی طرح ہیں۔''

علامہ تھانویؒ فرماتے ہیں:

'' فهي اصطلاح النحاة كلمة دلت على معنى في غيره و يسمى بحرف المعنى ايضا، وبالا داة ايضا.'' (۴)

''نحویوں کی اصطلاح میں وہ کلمہ جو اپنے غیر کے معانی پر دلالت کرے۔ان کو حروف معانی بھی کہا جاتا ہے اور اداۃ بھی۔''

علامہ مصطفیٰ جمال الدین حروفِ معانی سے متعلق فرماتے ہیں:

''وهذا الحرف قد يكون كلمة مستقلة لها معنى خاص كالا بتداء والانتهاء والاستفهام، التمني وامثالها تودية ضمن وظيفة الربط بين المفردات، وها ما اصطلح عليه ب (حروف المعاني). '' (۵)

''یہ حروف کلمہ مستقلہ ہیں اور ان کے لیے خاص معنی ہیں جیسے ابتداء، انتہاء، استفہام، تمنا اور اس کی مثل دیگر معانی، یہ مفرد الفاظ کے مابین ربط کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ان کو اصطلاحاً حروف معانی کہا جاتا ہے۔''

قرآن کریم کی تفسیر اور نصوص سے احکامِ شرعیہ سے استنباط واستخراج میں حروفِ معانی کے صحیح فہم کی انتہائی اہمیت ہے اس لیے علماءِ اصول نے بھی ان کو موضوع بحث بنایا ہے اور کتبِ اصول میں ان پر مفصل کلام کیا ہے۔

علماء اصول نے حروفِ معانی کی دو اقسام پر بحث کی ہے۔

۱۔حروفِ عطف ۲۔حروفِ جار

حروف عطف سے وہ مراد وہ حروف ہیں جن کے ذریعے ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ یا ایک جملہ کو دوسرے جملہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور دونوں کی اعرابی حالت ایک ہی ہوتی ہے۔علامہ عبدالعزیز بخاریؒ فرماتے ہیں۔

''فا لعطف في الكلام أن يرد أحد المفردين الى الآخر فيما حكمت عليه أو احدى الجملتين الى الآخر في الحصول .وفائدته الاختصار واثبات المشاركة''(٦)

کلام میں عطف یہ ہے کہ ایک مفرد کلمہ کو دوسرے کی طرف، اس پر لگائے گئے حکم میں لوٹایا جائے۔
یا دو جملوں میں سے ایک کو دوسرے پر نتیجے کے اعتبار سے لوٹایا جائے۔ اس کا فائدہ اختصار اور
مشارکت کا اثبات ہوتا ہے''

اس مقالہ میں علمائے اصول کی کتب کی روشنی میں حروفِ عاطفہ میں سے فا، ثم، بل، لکن، اَو اور حتی کو تفسیرِ قرآن پر ان کے اثرات کے حوالے زیر بحث لایا جائے گا۔

فا:

''فا'' وصل اور تعقیب کے لیے آتا ہے یعنی جب معطوف، معطوف علیہ سے متصل ہو اور بغیر کسی مہلت کے معطوف علیہ کے بعد ہو پس معطوف، معطوف علیہ سے زماناً متراخی ہوگا اگر چہ یہ زمانہ بہت کم ہی کیوں نہ ہو یہاں تراخی کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہے نہ کی اصطلاحی معنی کے اعتبار سے جو ''ثم'' کا مدلول ہے۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"واما الفاء فانه للوصل والتعقيب حتى ان المعطوف بالفاء يتراخى عن المعطوف عليه بزمان و ان لطف هذا موجبه الذى وضع له الاترى ان العرب تستعمل الفاء فى الجزاء لانه مرتب لا محالة." (۷)

''فا وصل اور تعقیب کے لیے آتا ہے چنانچہ فا کے ذریعے آنے والا معطوف، معطوف علیہ سے زمانی لحاظ سے متاخر ہوتا ہے اگر چہ (یہ تاخرِ زمانی) بہت کم ہوتا ہے۔ یہی اس کا موجب ہے جس کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عرب جزاء میں فا کو استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ لازماً مرتب ہوتی ہے۔''

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قوله: (الفاء للوصل والتعقيب) يعنى موجبه وجود الثانى بعد الاول بغير مهلة حتى لو قلت ضربت زيدا فعمرا كان المعنى ان ضرب عمرو وقع عقيب ضرب زيد ولم يتطاول المدة بينهما. ومعنى قوله: (تراخى عن المعطوف بزمان وان لطف) هو ان من ضرورة التعقيب تراخى الثانى عن الاول بزمان وان قل ذلك الزمان بحيث لايدرك اذ لو لم يكن كذلك كان مقارنا والقران ليس بموجب له." (۸)

''قولہ: (الفاء للوصل والتعقیب) یعنی اس کا موجب بغیر کسی مہلت کے اول کے بعد ثانی کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر آپ نے کہا میں نے زید کو مارا پھر عمرو کو تو معنی یہ ہوں

گے کہ عمرو کو مارنے کا عمل، زید کو مارنے کے فوراً بعد ہوا اور ان دونوں کے درمیان لمبا وقت نہیں گزرا۔ اور ان کے قول (تراخی عن المعطوف بزمان وان لطف) کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں آنے کے لیے لازم ہے کہ پہلے کے بعد دوسرا زمانی اعتبار سے کچھ متاخر ہو اگر یہ زمانی تاخر اس قدر کم ہے کہ ادراک میں ہی نہ آسکے تو یہ تعقیب نہیں کہلائے گی بلکہ اسے مقارن کہا جائے گا اور مقارنت حرف 'فا' کا موجب نہیں ہے۔"

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"واما الفاء فهو للعطف، وموجبه التعقيب بصفة الوصل، فيثبت به ترتيب وان لطف ذلک، لما بينا ان كل حرف يختص بمعنى فى اصل الوضع، اذ لو لم يجعل كذلک خرج من ان يكون مفيدا، فالمعنى الذى اختص به الفاء ما بينا، الاترى ان اهل اللسان وصلوا حرف الفاء بالجزاء وسموه حرف الجزاء لان الجزاء يتصل بالشرط على ان يتعقب نزوله وجود الشرط بلا فصل." (۹)

'فا' عطف کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا موجب صفتِ وصل کے ساتھ تعقیب ہے، اس سے ترتیب کا اثبات ہوتا ہے اگرچہ زمانی تاخر کتنا ہی کم ہو۔ جب ہم نے واضح کر دیا کہ ہر حرف اپنی لغوی اصل کے اعتبار سے کسی خاص معنی کے لیے مختص ہوتا ہے تو اگر ہم اس اصل کے مطابق (فا کو) نہیں ٹھہرائیں گے تو یہ اصول اس حالت سے نکل جائے گا کہ مفید ہو اس لیے فا انہی معنی کے لیے مخصوص ہے جو کہ ہم نے بیان کیے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اہل زبان نے فا کو جزاء کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ اور اس کا نام ہی حرفِ جزاء رکھا ہے۔ کیونکہ جزاء، شرط کے ساتھ اس طرح متصل ہوتی ہے کہ اس کا شرط کے بعد بغیر کسی فصل کے آنا وجودِ شرط ہے۔"

علامہ نسفی فخر الاسلام کی اتباع میں تحریر فرماتے ہیں:

"(والفاء للوصل، والتعقيب، فيتراخى المعطوف عن المعطوف عليه بزمان وان لطف) وهذا لان وجوه العطف منقسمة على حروفه، فلا بد ان يكون الفاء مختصا بمعنى هو موضوع له حقيقة وذلک هو التعقيب باجماع اهل اللغة، ولهذا يستعمل الفاء فى الجزاء لان الجزاء يكون عقيب الشرط بلا فصل (فاذا قال: ان دخلت هذه الدار فهذه الدار فانت طالق، يشترط ان تدخل الثانية بعد الاولى بلا تراخ)." (۱۰)

"(فا وصل اور تعقیب کے لیے ہے، معطوف، معطوف علیہ سے زمانی اعتبار سے متاخر ہوتا ہے اگر یہ زمانہ

مختصر ہو) یہ اس لیے کہ حروفِ عطف کے اعتبار سے عطف کی مختلف صورتیں ہیں۔ اس لیے لازما ''فا'' بھی خاص معنی کے لیے مختص ہے اوران معنی کے لیے ہی وہ اپنی وضع کے لحاظ سے معروف ہے۔ اوراہلِ لغت کی اتفاقی رائے کے مطابق وہ (معنی) تعقیب ہیں اس لیے فاء جزا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جزاء کا وجود شرط کے بعد بغیر وقفہ (مہلت) کے ہوتا ہے۔ (پس جب اس نے کہا: اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی، پھر اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق، اس میں یہ شرط ہے کہ دوسرے گھر میں داخل ہونا پہلے گھر کے فورا بعد ہو۔)''

ملاجیون اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

''(والفاء للوصل، والتعقيب) اى لكون المعطوف موصولا بالمعطوف عليه متعقبا له بلامهلة (فيتراخى المعطوف عن المعطوف عليه بزمان وان لطف) اى قل ذلك الزمان بحيث لا يدرك اذ لو لم يكن الزمان فاصلا اصلا كان مقارنا تستعمل فيه كلمة مع، واطلاق التراخى ههنا بالمعنى اللغوى لا الاصطلاحى الذى كان مدلول ثم (فاذا قال ان دخلت هذه الدار فهده الدار فانت طالق فالشرط ان تدخل الثانية بعد الاولى بلا تراخ) فان لم تدخل الدارين، او دخلت احداهما فقط، اودخلت الاولى بعد الثانية، او دخلت الثانية بعد الاولى بتراخ لم تطلق، لانه لم يوجد الشرط.'' (۱۱)

''**(والفاء للوصل والتعقيب)** یعنی معطوف، معطوف علیہ کے ساتھ اس طرح متصل ہو کہ معطوف اس کے بعد ہو اور اس میں کوئی مہلت نہ ہو۔

(فيتراخى المعطوف عن المعطوف عليه بزمان وان لطف) یعنی وہ تراخی کی مدت اتنی کم ہو کہ اس کا ادراک نہ ہو سکے۔ لیکن اگر درمیانی مدت (معطوف، معطوف علیہ) دونوں میں مطلقاً فصل (اور علیحدگی) کرنے والی نہ ہو تو وہ مقارن ہوں گے (نہ کہ ان میں تعقیب ہوگی) اس معنی کے لیے کلمہ مع استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہاں تراخی کا اطلاق لغوی اعتبار سے ہے نہ کہ اصطلاحی اعتبار سے جو کہ ثم کا مدلول ہے **(فاذا قال ان دخلت هذه الدارفانت طالق فالشرط ان تدخل الثانية بعد الاولى بلا تراخ)** پس اگر وہ دونوں گھروں میں داخل نہ ہوئی، یا ان میں سے صرف ایک میں داخل ہوئی یا دوسرے گھر کے بعد پہلے میں داخل ہوئی، یا دوسرے گھر میں، پہلے کے بعد داخل ہوئی لیکن تاخیر سے تو طلاق نہیں ہو گی کیونکہ شرط نہیں پائی جاتی۔''

علامہ ابن حزمؒ کی بھی یہی رائے ہے:

چنانچہ فرماتے ہیں:

"والفاء تعطی رتبة الثانی بعد الاول بلا مهلة کقولک: جاء نی زید فعمرو، فزید جاء قبل عمرو ولا بد، واتی عمرو واثره بلا مهلة." (۱۲)

''فا: اول کے بعد ثانی کو بغیر مہلت کے مرتبہ دیتا ہے جیسا کہ تمہارا قول 'میرے پاس زید آیا پھر عمرو آیا'، اس کا مطلب لازماً یہ ہے کہ زید عمرو سے قبل آیا اور پھر عمرو آیا 'ف' کا اثر بغیر کسی مہلت کے آنے کا ہے۔''

امام الحرمین جوینی ''البرہان فی اصول الفقہ'' میں ''فاء'' کا معنی تعقیب، تسبیب اور ترتیب بتاتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

"فاما (الفاء) فان مقتضاها التعقیب والتسبیب، والترتیب، ولذلک تستعمل جزاء تقول: ان تاتنی فانا اکرمک، واذ جری جزاء، فهو الذی عنیناه بالتسبیب. ثم من ضروة التسبیب الترتیب، والتعقیب." (۱۳)

''جہاں تک (فا) کا تعلق ہے تو اس کا مقتضی تعقیب (بعد میں آنا) تسبیب (کسی چیز کا سبب ہونا) اور ترتیب (ایک کے بعد دوسرے کا ہونا) ہے۔ اسی لیے یہ جزاء کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تو کہتا ہے (ان تاتنی فاکرمک) اگر تو میرے پاس آیا تو میں تیری عزت کروں گا فا کا یہ اجراء جزاء کے معنی میں ہے اور یہی ہماری مراد تسبیب کی ہے پھر تسبیب کے لیے ترتیب و تعقیب لازم ہے۔''

ابن ہشام کے نزدیک ''فا'' ترتیب، تعقیب اور تسبیب کے لیے آتا ہے اور پھر تعقیب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"التعقیب، وهو فی کل شیء بحسبه، الا تری انه یقال (تزوج فلان فولد له) اذا لم یکن بینهما الامدة الحمل، وان کانت متطاولة، و (دخلت البصرة فبغداد) اذا لم تقم فی البصرة ولا بین البلدین، وقال الله تعالیٰ: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً﴾." (۱۴)، (۱۵)

''تعقیب: یہ ہر معاملہ میں اس کے حسبِ حال ہوتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب کہا جاتا ہے (تزوج فلان فولد له) اس نے اس سے شادی کی پس اس کے لیے اس نے جنا، ان دونوں کاموں کے درمیان مدت حمل کا زمانہ ہے، اگرچہ یہ طویل ہے۔ (دخلت البصرة فبغداد) میں بصرہ میں داخل ہوا پھر بغداد

میں، جب تم نے بصرہ میں قیام نہیں کیا اور نہ ہی دونوں شہروں کے درمیان۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو اس سے زمین سرسبز و شاداب ہوگئی)۔''

کبھی فا ''مجازاً''، ''و'' کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کے لیے اقرار کرتے ہوئے کہا ''**له علی درهم فدرهم**'' تو یہ ''فا'' ''و'' کے معنی میں ہوگا اور اقرار کرنے والے پر دو درہم لازم ہوں گے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

''فاما ما قال علماؤنا فیمن یقول: لفلان علی درهم فدرهم: انه یلزمه درهمان فذلک لتحقیق معنی العطف اذا المعطوف غیر المعطوف علیه واعتبار معنی الوصل والترتیب فی الوجوب لا فی الواجب، او لما تعذر اعتبار حقیقة معنی حرف الفاء جعل عبارة عن الواو مجازا فکانه قال: درهم و درهم.''(۱۶)

''ہمارے علماء نے اس شخص کے معاملے میں جو کہتا ہے (**لفلان علی درهم فدرهم**) ' فلاں شخص کا مجھ پر درہم ہے، پس درہم ہے'، یہ کہا ہے کہ اس کے ذمے دو درہم لازم ہوں گے۔ اور یہ عطف کے ان معنی کے تحقق کے باعث ہے جب معطوف، معطوف علیہ کے سوا ہو اور معنی میں وصل اور ترتیب کا اعتبار کسی امر کے وجوب میں ہوتا ہے نہ کہ واجب میں۔ جب حرف فا کے حقیقی معنی کا اعتبار ممکن نہ ہو تو اس کو 'و' کی مانند قرار دیا جائے گا تو گویا کہ اس نے کہا: درہم و درہم''

امام الحرمین جوینی فرماتے ہیں:

'' وقد تردد الفاء مورد الواو للعطف ولتشریک، واکثر ما یلفی کذلک، فی اسماء البقاع کقول امری القیس:

فقانبک من ذکری حبیب و منزل بسقط اللوی بین الدخول فحومل.'' (۱۷)

''فاء کو واو کے معانی کی جانب بھی لوٹایا جاتا ہے یعنی عطف اور شرکت کے معنی کی طرف اور اکثر فا ان معانی میں جگہوں (مقامات) کے ناموں میں پایا جاتا ہے۔ جیسے امرؤ القیس کا شعر ہے:

(ساتھیو) ٹھہر جاؤ ہم محبوب اور اس کے گھر کی یاد میں رو لیں جو (مقامات) دخول وحومل کے مابین خمیدہ ریگ تودے کے اختتام پر تھا۔''

ثمّ:

حروف عطف میں سے تیسرا حرف ثم ہے۔ ثم تراخی کے لیے آتا ہے یعنی معطوف کا وجود معطوف علیہ سے کچھ دیر کے بعد ہوتا ہے جیسے ''**جاء نی زید ثم عمرو**'' کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کی آمد زید سے کچھ بعد ہوئی ہے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"وثم: توجب ان الثانی بعد الاول بمهلة." (۱۸)

"ثم اس کو لازم کرتا ہے کہ ثانی، اول کے بعد مہلت کے ساتھ ہے۔"

امام الحرمین جوینی فرماتے ہیں:

"فاما (ثم) فمن العواطف، ولکن للترتیب مع التراخی." (۱۹)

"جہاں تک ثم کا تعلق ہے تو یہ حروف عاطفہ میں سے ہے لیکن یہ تراخی (کو ظاہر کرنے) کے ساتھ ترتیب کے لیے ہوتا ہے۔"

علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"واما ثم فللعطف علی سبیل التراخی وهوموضوعه لیختص بمعنی ینفرد به." (۲۰)

"ثم تراخی کے ساتھ عطف کے لیے ہوتا ہے۔ یہ معنی اس کے موضوع لہ ہیں انہی معنی میں وہ منفرد ہے۔"

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قوله (علی سبیل التراخی) وهو ان یکون بین المعطوف والمعطوف علیه مهلة فی الفعل المتعلق بهما فاذا قلت جاء نی زید ثم عمرا کان المعنی انه وقع بینهما مهلة ولهذا جاز ان تقول ضربت زیدا ثم عمرا بعده بشهر ولا یصح ذلک بالفاء." (۲۱)

ان کا قول: (علی سبیل التراخی) وہ یہ کہ معطوف اور معطوف علیہ کے مابین متعلقہ فعل میں مہلت (اور وقفہ) ہو جیسے جب تو کہے (جاء نی زید ثم عمرو) تو کہے (ضربت زیدا ثم عمرا) تو معنی یہ ہوں گے دونوں کے واقع ہونے میں مہلت ہے۔ اس لیے یہ درست ہے کہ اگر تو کہے (ضربت زیدا ثم عمرا) اس کے درمیان مہینے کے برابر زمانی بُعد ہو لیکن ثم کی بجائے فاء کے ساتھ کہنا درست نہیں ہوگا۔"

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"اما حرف ثم فهو للعطف علی وجه التعقیب مع التراخی، هو المعنی الذی اختص به هذا الحرف باصل الوضع. یقول الرجل (جاء نی زید ثم عمرو فانما یفهم انه ما یفهم من قوله) جاء نی زید ثم عمرو." (۲۲)

"جہاں تک حرف ثم کا تعلق ہے تو وہ تعقیب کی معنویت کے ساتھ تراخی کے طریق پر، عطف کے لیے ہے، اور یہی معنی ہیں جس کے لیے اسے اصل وضع (لغوی اصل) کے لحاظ سے خاص کیا گیا ہے جیسے کوئی شخص کہتا

ہے (جاء نی زید ثم عمرو) تو اس (جملہ) سے یہی سمجھا جائے گا جو اس (جملہ) سے سمجھا جائیگا۔
(جاء نی زید و بعده عمرو)"

امام راغب کلمہ ثم کا مدلول بیان کرتے ہیں اور قرآن کریم سے امثلہ نقل کرتے ہیں۔
چنانچہ فرماتے ہیں:

"ثم حرف عطف يقتضى تاخر ما بعده عما قبله، اما تاخيرا بالذات، او بالمرتبة، او بالوضع حسبما ذكر فى (قبل) و فى اول. قال تعالىٰ: ﴿اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ آلْـٰٔنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ (يونس: ۵۱-۵۲) وقال عزوجل: ﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ (البقره: ۵۲) واشباهه." (۲۳)

"ثم وہ حرف عطف ہے جو اپنے سے بعد میں آنے والے کا اپنے ماقبل سے مؤخر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ تاخر چاہے ذاتی ہو یا مرتبی یا وضع کے اعتبار سے اسکے موافق جو ذکر کیا گیا ہو (قبل) اور (اول) کے الفاظ کے ساتھ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (کیا تم جب وہ واقع ہو جائے، اس کے بعد ایمان لاؤ گے' اب (ایمان لانے کا کیا فائدہ) اور حالانکہ تم اس کی طلب میں جلد بازی کر رہے تھے پھر کہا جائے گا ان سے جنہوں نے ظلم کیا۔) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (پھر ہم نے اس کو تم سے ہٹا دیا اس کے بعد۔) اور اسی کی مثل دیگر۔"

علامہ آمدی بھی کلمہ ثم کا مدلول یہی بیان کرتے ہیں:

"واما (ثم) فانها توجب الثانى بعد الاول بمهلة: وقوله تعالىٰ: ﴿وَ اِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ (۲۴) وان كان الاهتداء يتراخى عن التوبة والايمان والعمل الصالح فيجب حمله على دوام الاهتداء وثباته، ضرورة موافقة النقل."(۲۵)

"کلمہ "ثم" اپنے بعد میں آنے والے کو اپنے سے پہلے والے سے مہلت (تاخیر) کے ساتھ لازم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: 'بے شک میں اس کو بہت سے بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور نیک کام کرے پھر ہدایت پا لے۔' اگر اهتداء، توبہ اور ایمان و عمل صالح سے متاخر ہے تو لازم ہے کہ اس کو ہدایت کے دوام و استقلال پر محمول کیا جائے تا کہ (معانی) یا نقل کے موافق ہو سکیں۔"

کلمہ "ثم" کبھی "واؤ" کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی "واؤ" کے معنی میں مجازاً استعمال ہوتا ہے۔
قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ فَکُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْمِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (۲۶)

''پس اس نے گھاٹی کو عبور نہیں کیا اور تجھے نہیں خبر کہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ گردن (غلام کی) آزاد کرنا ہے یا تکلیف کے دن کسی قرابت دار یتیم یا کسی خاک آلود مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ اور جو لوگ ایمان والوں میں سے ہیں۔''

اس آیت میں ثم کو اگر اس کے حقیقی معنی یعنی تراخی پر محمول کیا جائے تو خرابی لازم آتی ہے لہذا یہاں ثم ''واو'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

''وقد یستعار ثم بمعنی واو العطف مجاز لمجاورة التی بینهما قال الله تعالیٰ: ﴿ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ﴾ (۲۷)

ثم مجازاً کبھی 'و' کے معنی میں مستعار ہوتا ہے، کیونکہ ان دونوں میں معنوی ہمسائیگی (اور تعلق) ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ﴿ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ﴾ ان دونوں آیات میں ثم، واو کے معنی میں آیا ہے۔''

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''قوله (وقد یستعار ثم بمعنی الواو) واذا تعذر العمل بحقیقة ثم یجوز ان یجعل مستعار لـه للواو احتراز عن الالغاء للمجاورة ای للاتصال الذی بینهما فی معنی العطف، فالواو لمطلق العطف و ثم لعطف مقید والمطلق داخل فی المقید فیثبت بینهما اتصال معنوی فیجوز ان یستعمل بمعنی الواو قال الله تعالیٰ ﴿ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ﴾ ای وکان لتعذر العمل بحقیقة ثم اذ الایمان هو الاصل المقدم الذی یبتنی علیه سائر الاعمال الصالحة وهو شرط صحتها فلا یکون فک الرقبة والاطعام معتبرین قبله کالصلاه قبل الطهارة فعرفنا انه بمعنی الواو، وذکر صاحب الکشاف فی مثل هذا الموضع او کلمة التراخی لبیان تباین المنزلتین کما انها لبیان تباین الوقتین فی جاء نی زید ثم عمرو. وقال فی هذه الآیة جاء بثم لتراخی الایمان و تباعد فی الرتبة والفضیلة عن العتق والصدقة لا فی الوقت لان الایمان هو السابق المقدم علی غیره. وذکر فی (التیسیر) انها لترتیب الاخبار لا لترتیب الوجود أی ثم اخبرکم ان هذا لمن کان مومنا. وقال الله

تعالیٰ: ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ، قد تعذر العمل بحقيقة ثم لانه تعالى شهيد على ما يفعلون قبل رجوعهم اليه كما هو شهيد بعد ذلک فكان بمعنى الواو كما في قول الشاعر:

ان من ساد ثم ساد ابوه ‏ ثم قد سار قبل ذلک جده

قال صاحب (الكشاف) المراد من الشهادة مقتضاها ونتيجتها وهو العقاب كانه تعالیٰ قال ثم الله يعاقب على ما يفعلون وقال: ويجوز ان يراد ان الله مود شهاده على افعالهم يوم القيامة حين ينطق جلودهم والسنتهم وايدهم وارجلهم شاهدة عليهم۔"(۲۸)

ان کا قول(وقد يستعار ثم بمعنى الواو) جب حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن نہ ہوتو درست ہے کہ اسے واؤ کے معنی میں مستعار سمجھا جائے تاکہ کلام کو لغو ہونے سے محفوظ رکھا جائے۔(للمجاورة) یعنی ان دونوں میں (ثم اور واؤ میں) عطف کے معنی میں اتصال کے باعث واؤ مطلقاً عطف کے لیے ہے۔جبکہ ثم عطف مقید کے لیے ہے۔مطلق،مقید میں شامل ہوتا ہے اس لیے ان دونوں میں اتصال معنوی ثابت ہوتا ہے۔ جس کے باعث درست ہے(کہ ثم) کو واؤ کے معنی میں استعمال کیا جائے۔﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ ﴾ یعنی یہاں (ثم) کے حقیقی معنی پر عمل ممکن نہیں کیونکہ ایمان وہ اصل ہے جو سب سے پہلے ہے جس پر تمام اعمال صالحہ کی عمارت تعمیر ہوتی ہے اور وہی ان کے درست ہونے کی شرط ہے۔اس (ایمان) سے پہلے فک رقبہ (غلام آزاد کرنا) اور کھانا (مسکین غریبوں کو) کھلانا معتبر نہیں ہوتے۔جیسے طہارت سے پہلے نماز معتبر نہیں۔پس ہم نے جان لیا کہ (ثم) یہاں بمعنی واؤ ہے۔صاحب کشاف نے اس طرح کے موقع پر کلمہ ثم تراخی کے لیے ہونا ذکر کیا ہے تاکہ بیان کردہ دو چیزوں کے مقام و مرتبہ میں تفاضل و تباین ظاہر ہو سکے۔جیسا کہ یہ کلمہ دو اوقات کے مابین تباین کے لیے استعمال ہوتا مثلاً جاء نی زید ثم عمرو میں دونوں کے آنے کے وقت میں تباین کے لیے ثم استعمال ہوا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں ثم ایمان کے تراخی کے لیے ہے اور اس کے رتبہ وفضیلت کے بُعد (یعنی بلندی وعظمت) کو بیان کرنے کے لیے جو اس کو عتق اور صدقہ کے مقابلے میں حاصل ہے۔یہاں تراخی وقت کے لیے نہیں ہے کیونکہ ایمان اپنے غیر سے پہلے اور مقدم ہے۔التیسیر میں مذکور ہے کہ (ثم) خبروں کے بیان کی ترتیب کے لیے ہے نہ کہ ترتیبِ وجود کے لیے یعنی (یہاں آیت میں ثم کے معنی ہوئے) یعنی پھر اس نے تمہیں خبر دی کہ یہ سب کچھ اس کے لیے ہے جو مومن ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ثم کے حقیقی معنی پر عمل یہاں ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شہید ہیں جو وہ کرتے ہیں اس پر ان سے اس کی جانب رجوع سے قبل بھی جیسا کہ وہ شہید ہے اس کے بعد۔لہذا یہاں ثم بمعنی واؤ ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے۔

بے شک وہ جو سیادت پر فائز ہوا اور اس کا والد بھی صاحب سیادت تھا اور اس سے قبل اس کا دادا بھی اس مقام سے گزر چکا ہے۔

صاحب کشاف کا قول ہے۔ یہاں آیت میں شہادت سے مراد اس کا مقتضی اور نتیجہ ہے اور وہ عقاب (سزا) ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: 'ثم اللہ یعاقب علی ما یفعلون' اللہ تعالیٰ وہ جو کرتے ہیں اس کی سزا دینے والا ہے۔ اور کہا کہ یہ بھی درست ہے اگر اس سے مراد لی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فعل پر قیامت کے دن گواہی دینے والے ہیں جب ان کی کھالیں اور زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں بولنے لگیں ان کے خلاف گواہ ہوں گے۔"

علامہ سرخسی بھی علامہ بزدوی کی تائید میں فرماتے ہیں:

"وقد یستعمل حرف ثم بمعنی الواو مجازا، قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ و قال تعالیٰ: ﴿ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ﴾ (۲۹)

"اور کبھی حرف ثم، واؤ کے معنی میں مجازاً استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ﴾."

علامہ آمدی فرماتے ہیں:

"وقیل انہا قد تردد بمعنی (الواو) کقولہ تعالیٰ: ﴿فَاِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ﴾ لا ستحالۃ کونہ شاھدا بعد ان لم یکن شاھدا." (۳۰، ۳۱)

"اور کہا گیا کہ کبھی یہ واؤ کے معنی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ﴾ یہاں ثم واؤ کے معنی میں ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بعد میں گواہ بنیں اس کے بعد کہ وہ پہلے گواہ نہیں تھے۔"

بَل:

حروف عطف میں سے چوتھا حرف "بل" ہے۔ کلمہ بل اپنے مابعد کو ثابت کرنے کے لیے اور اپنے ماقبل سے اعراض کرنے کے لیے تدارک کے طور پر آتا ہے۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"واما بل فموضوع لا ثبات ما بعدہ والاعراض عما قبلہ علی سبیل التدارک یقال جاء نی زید بل عمرو." (۳۲)

"بل (لغوی) وضع کے اعتبار سے اپنے سے بعد میں آنے والے کے اثبات اور ماقبل سے

اعراض کے لیے ہوتا ہے اور یہ اس طریق پر ہوتا ہے کہ اس کا مقصد تدارک ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ''جاء نی زید بل عمرو۔'' میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو آیا۔''

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اعلم ان کلمة بل موضوعة للاضراب عن الاول منفيا كان او موجبا والاثبات للثانی على سبيل التدراک للغلط فاذا قلت جاء نی زيد بل عمرو و كنت قاصدا للاخبار بمجیء زيد ثم تبين لک ان غلطت فی ذلک فتضرب عنه الى عمرو فتقول بل عمرو.''(۳۳)

جان لو کہ کلمہ بل اپنے سے پہلے (والی چیز/ امر) کی نفی کے لیے وضع کیا گیا ہے یا بعد میں آنے والے کے ایجاب واثبات کے لیے ہوتا ہے اس طریق سے کہ جو غلط کہا گیا ہے اس کا تدارک ہو جائے۔ جب آپ کہیں 'جاء نی زيد بل عمرو' تو آپ نے یہ خبر دی تھی کہ زید آیا ہے پھر آپ پر ظاہر ہوا کہ آپ نے اس خبر میں غلطی کی ہے چنانچہ آپ اس کو عمرو کی جانب پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ بل عمرو.''

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

''واما حرف بل هو لتدارک الغلط باقامة الثانی مقام الاول واظهار ان الاول كان غلطا، فان الرجل يقول جاء نی زيد بل عمرو أولا بل عمرو فانما يفهم منه الاخبار بمجیء عمرو خاصة، وهو معنى قوله تعالىٰ (بل كنتم مجرمين) (۳۴) ﴿بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ﴾ (۳۵) .'' (۳٦)

حرف بل غلطی کے تدارک کے لیے ہوتا ہے اس طرح کہ دوسرے (امر/ چیز) کو پہلے کے مقام پر قائم کیا جاتا ہے۔ اور اس کا اظہار ہوتا ہے کہ اول بات غلط تھی اگر کوئی شخص کہتا ہے۔ جاء نی زيد بل عمرو يعنى لا، بل عمرو، چنانچہ اس اسے خاص طور پر عمرو کے آنے کی خبر کا فہم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان کا یہی مطلب ہے: (بل كنتم مجرمين) بلکہ تم مجرم ہو۔ اس طرح: ﴿بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ﴾ .''

امام الحرمین جوینی فرماتے ہیں:

''واما (بل) فللاستدراک، واستئناف الكلام، تقول: ما رايت زيد بل عمروا.''(۳۷)

''جہاں تک بل کا تعلق ہے تو یہ استدراک کے لیے ہے۔ اور کلام کی ابتداء کے لیے ہے جیسے تو کہتا ہے: ما رايت زيد بل عمروا۔ (میں نے زید کو نہیں دیکھا بلکہ عمر کو دیکھا)۔''

علامہ جوینی نے بل کے معنی استدراک کے علاوہ استئناف کے بھی بتائے ہیں۔قرآن کریم میں اس کی بھی متعدد مثالیں ہیں۔مثلا

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ (۳۸)

''تحقیق وہ کامیاب ہوا جس نے تزکیہ کیا اوراس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پس نماز پڑھی۔
لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔''

ابن ہشام بل کے معنی اضراب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حرف اضراب، بان تلاها جملة كان معنى الاضراب اما الابطال نحو ﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ (۳۹) اى بل عم عباد، ونحو ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ﴾.'' (۴۰)

''حرف 'بل' اضراب کے لیے ہے۔پس اگر اس کے بعد کوئی جملہ آئے تو اس کا معنی اضراب یعنی ابطال ہوں گے جیسے ﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ اس طرح اللہ کا فرمان ہے:﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ﴾ (وہ کہتے ہیں اس کو جنون لاحق ہے بلکہ اس کے پاس حق آگیا)۔''

آخر میں لغت وتفسیر کے امام علامہ راغب اصفہانی کی ''بل'' سے متعلق تحقیق کا خلاصہ تکمیل فائدہ کے لیے درج کیا جاتا ہے۔

بل حرفِ استدراک ہے اور تدراک کی دوصورتیں ہیں پہلی صورت کے متعلق امام راغب فرماتے ہیں:

''ضرب يتناقض ما بعده ما قبله، لكن ربما يقصد به لتصحيح الحكم الذى بعده و ابطال ما قبله، وربما يقصد تصحيح الذى قبله وابطال الثانى، فمما قصد به تصحيح الثانى وابطال الاول قوله تعالىٰ: ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ اى ليس الامر كما قالوا بل جهلوا فنبه بقوله (ران على قلوبهم) على جهلهم.'' (۴۱)

''اس (بل کی پہلی معنوی) صورت یہ ہے کہ اس کے بعد جو کچھ آتا ہے وہ اس سے پہلے والے کا نقض کرتا ہے (یعنی اس کی نفی کرتی ہے) کبھی تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ بل کے بعد آنے والے حکم کی تصحیح ہو اور ما قبل کی تردید ہو۔اور کبھی اس سے مقصود مابعد کی تصحیح اور اول کی تردید ہوتی ہے۔دوسری بات کی تائید اور اول کی تردید کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (جب اس کے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور کہتا

ہے یہ پہلوں کی کہانیاں ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں کو زنگ لگ گیا ہے بسبب اس کے کہ جو وہ کرتے ہیں) یعنی معاملہ ایسے نہیں جیسے وہ کہہ رہے ہیں بلکہ یہ ان کی جہالت ہے، اس پر ان کو ان کی جہالت تنبیہ کی گئی اور کہا گیا ﴿بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾۔"

اس پہلی صورت کی دوسری شکل سے متعلق فرماتے ہیں:

"'ومما قصد به تصحيح الاول وابطال الثانی قوله تعالیٰ: ﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ﴾

ای: ليس اعطاؤهم المال من الاكرام ولا منعهم من الاهانة، لكن جهلوا ذلك لوضعهم المال فی غير موضعه." (۴۲)

"(بل کے استعمال کی دوسری معنوی صورت یہ ہے) جس میں پہلی بات کی تصحیح اور دوسری کی تردید مقصود ہو جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ﴾ جب انسان کو اس کے رب نے آزمایا اور اس کو عزت بخشی، اور اس کو نعمت عطا کی تو وہ کہنے لگا میرے رب نے میری تکریم کی اور جب اس کو آزمائش میں مبتلا کیا پس اس پر اس کا رزق تنگ کیا تو کہنے لگا میرے رب نے میری توہین کی ہرگز بلکہ تم ہی یتیم کو عزت نہیں دیتے۔ یعنی ان کو مال کا عطا ہونا، اکرام نہیں اور نہ ہی اس کا نہ ملنا اہانت ہے بلکہ انہوں نے جہالت سے کام لیا جو کہ انہوں نے اس سے ایسی دلالت پکڑی جس پر وہ دلالت نہیں کر رہا ہے۔"

تدارک کی دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کلام کے ذریعہ پہلے کلام کی وضاحت اور اضافہ مقصود ہے۔

"والضرب الثانی من بل هو ان يكون مبينا للحكم الاول وزائدا عليه بما بعد بل نحو قوله تعالیٰ: ﴿بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ (الانبياء: ۵) فانه نبه انهم يقولون ﴿اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰهُ﴾. يزيدون علی ذالک ان الذی اتی به مفتری افتراه، بل يزيدون فيدعون انه كذاب، فان الشاعر فی القرآن عبارة عن الكاذب بالطبع."

"دوسری قسم بل کی یہ ہے کہ وہ پہلے حکم کا مبین ہو اور اس حکم پر بعد میں آنے والی چیز کچھ اضافہ کرتی ہو جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے: (بلکہ انہوں نے کہا یہ پریشان فکری کی باتیں ہیں، بلکہ اس کا من گھڑت جھوٹ ہے بلکہ وہ شاعر ہے) اللہ نے ان کو تنبیہ کی کہ وہ کہتے ہیں ﴿اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ﴾ اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں جو یہ لے کر آیا ہے یہ وہ جھوٹ ہے جو اس نے گھڑا ہے۔ بلکہ اس پر اضافہ

کرتے ہوئے دعوی کرتے ہیں کہ وہ (رسول) جھوٹا ہے۔شاعر کا قرآن میں بالطبع جھوٹا ہونے پر اطلاق کیا گیا ہے۔''

اور آخر میں فرماتے ہیں:

''وجميع ما فی القرآن من لفظ بل لا يخرج من احد هذين الوجهين وان دق الكلام فی بعضه.'' (۴۳)

''تمام قرآن کریم میں لفظ 'بل' جہاں کہیں بھی استعمال ہوا وہ معنوی لحاظ سے ان دو صورتوں سے خارج نہیں۔اگر چہ بعض جگہ پر کلام دقیق ہے۔''

لکن:

حروف عاطفہ میں سے پانچواں حرف 'لکن' ہےلیکن اگر مخففہ ہوتو عاطفہ ہوگا اور استدراک کے لیے استعمال ہوگا۔یعنی کلام سابق میں جو وہم پیدا ہوا ہے اس کو دور کرنے کے لیے اور اگر لکن مشددہ ہے تو مشابہ بالفعل ہوگا لیکن استدراک کے معنی میں عاطفہ کے ساتھ شریک ہوگا اور کلمہ لکن نفی کے بعد استدراک کے لیے آتا ہے مگر یہ شرط اس صورت میں ہے جب کلمہ لکن کے ذریعہ عطف مفرد علی المفرد ہوا گر عطف جملہ علی الجملہ ہو تو کلمہ لکن نفی اور اثبات دونوں کے بعد واقع ہوسکتا ہے۔

علماء اصول نے لکن کے ذریعہ عطف کی دو اور شرائط بیان کی ہیں ایک یہ کہ کلمہ لکن کلام سابق سے ملا ہوا ہو یعنی کلام موصول اور مربوط ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ لکن کا مابعد اس کے ماقبل کے منافی نہ ہو اگر یہ دو شرائط مفقود ہوں تو اس صورت میں کلمہ لکن کا مابعد والا کلام معطوف نہیں ہوگا بلکہ یہ کلام مستأنف اور مستقل ہوگا۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

''واما لكن فقد وضع للاستدراک بعد النفی تقول ما جاء نی زيد لكن عمرو فصار الثابت به اثبات ما بعده فاما نفی الاول فيثبت بدليله بخلاف بل غير ان العطف انما يستقيم عند اتساق الكلام فاذا اتسق الكلام تعلق النفی بالاثبات الذی وصل به والا فهو مستأنف.'' (۴۴)

''لکن کو (لغوی اعتبار سے) نفی کے بعد استدراک کے لیے وضع کیا گیا ہے۔جیسے آپ کا یہ کہنا (ما جاء نی زید لکن عمرو) میرے پاس زید نہیں آیا لیکن عمرو آیا۔چنانچہ (لکن) اپنے مابعد کے وجود کو ثابت کرنے والا ہے جہاں تک اول کی نفی کی معاملہ ہے وہ دلیل کے ذریعے ثابت ہوتا ہے، (نہ کہ کلمہ لکن کے ذریعے اس کی نفی ہوتی ہے) اور یہ کلمہ بل کے خلاف (عمل ہوتا) ہے۔عطف لکن کے ذریعے تب ہوگا جب اس کا سیاقِ کلام سے اتصال ہوگا۔جب کلام کا سیاق نفی اور اثبات میں آپس میں متعلق ہو

(ایک دوسرے کا نقیض نہ ہو) اور اگر ایسا نہ ہو تو لکن کے بعد کا جملہ نیا جملہ ہوگا (جس سے نئی بات کی ابتدا ہوگی)۔"

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قوله (واما لكن) اعلم ان لكن يستدرک به ما يقدر فی الجملة التی قبلها من التوهم نحو قولک ما رايت زيدا لكن عمرا فللمتوهم ان يتوهم ان عمرا غير مرئی ايضا فاماطت كلمة لكن هذا التوهم: والفرق بينه وبين بل من وجهين:

احدهما: ان لكن اخص من بل فی الاستدراک لانک تستدرک بل بعد الايجاب كقولک ضربت زيدا بل عمرا و بعد النفی كقولک ما جاء نی زيد بل عمرو ولا تستدرک بلكن الا بعد النفی لا تقول ضربت زيدا لكن عمرا. وهو معنى قوله وضع للاستدراک بعد النفی. وهذا فی عطف المفرد على المفرد فان كان فی الكلام جملتان مختلفتان جاز الاستدراک بلكن فی الايجاب ايضا كقولک جاء نی زيد لكن عمرو لم يات فقولک عمرو لم يات جملة منفية و ما قبل لكن جملة موجبة فقد حصل الاختلاف. وعمرو فی قولک: لكن عمرو لم يات– مرفوع بالابتداء و لم يات خبره وكذا قولک ضربت زيدا لكن لم اضرب عمرا فعمرا منصوب بلم اضرب وليس لحرف العطف فيه حظ كما يكون فی قولک ما ضربت زيد لكن عمرا كذا ذكره الامام عبدالقاهر.

فتبين بهذا ان قوله: للاستدراک بعد النفی مختص بعطف المفرد على المفرد دون عطف الجمله على الجملة، والثانی ان موجب الاستدراک بهذه الكلمة اثبات ما بعده فاما نفی الاول فليس من احكامها بل يثبت ذلک بدليله وهو النفی الموجوده فيه صريحا بخلاف كلمة بل فان موجبها وضعا نفی الاول واثبات الثانی. يوضحه ان فی قولک ما جاء نی زيد لكن عمرو انتفی مجیء زيد بصريح هذا الكلام لا بكلمة لكن فانه لو سكت عن قوله. لكن عمرو كان الانتفاء ثابتا ايضا وفی قولک جاء نی زيد بل عمرو انتفی مجیء زيد بكلمة بل لا بصريح الكلام. فانه لو سكت عن قوله بل عمرو لا يثبت الانتفاء بل يثبت ضده وهو الثبوت فهذا هو الفرق بينهما.

قوله: (غير ان العطف) استثناء منقطع بمعنى لكن من قوله وضع الاستدراک بعد النفی و تقديره لكن للعطف بطريق الاستدراک بعد النفی الا ان العطف بهذا الطريق انما

یستقیم عند اتساق الکلام. والمراد من اتساق الکلام انتظامه وذلک بطریقین: احدهما ان یکون الکلام متصلا بعضه ببعض غیر منفصل لیتحقق العطف. الثانی: ان یکون محل الاثبات غیر محل النفی یمکن الجمع بینهما ولا یناقض آخر الکلام اوله کما فی قولک ما جاء نی زید لکن عمرو فاذا فات احد المعنیین لا یثبت الاتساق فلا یصح الاستدراک فیکون کلاما مستانفا.'' (۴۵)

اس کا قول (واما لکن) جان لو کہ لکن اس توہم کا تدارک کرتا ہے جو اس سے قبل جملہ میں مقدر ہوتا ہے جیسا کہ تیرا یہ کہنا **رایت زیدا لکن عمرا** ۔اس سے یہ وہم پیدا ہوا کہ عمر بھی (زید کی طرح) نہیں نظر آیا تو اس وہم کو کلمہ لکن نے مٹا دیا۔لکن اور بل کے مابین دو اعتبار سے فرق ہے۔

پہلا فرق یہ ہے کہ لکن، استدارک کے لحاظ سے بل سے زیادہ خاص ہے۔ کیونکہ کلمہ بل کا استدراک کبھی ایجاب (واثبات) کے بعد ہوتا ہے جیسے تیرا قول **ضربت زیدا بل عمرا** اور کبھی نفی کے بعد جیسے تیرا قول **ما جاء نی زید بل عمرو** ۔جبکہ لکن کے ذریعے استدراک نفی کے بعد ہوتا ہے اس لیے آپ یہ نہیں کہتے کہ **ضربت زیدا لکن عمرا** (میں نے زید کو مارا لیکن عمرو کو) بلکہ یہ کہتے ہیں **ما ضربت زیدا لکن عمرا** (میں نے زید کو نہیں مارا لیکن عمرو کو) ان کے قول (**وضع الاستدراک بعد النفی**) کا یہ مطلب ہے۔اور یہ صورت عطف مفرد علی المفرد میں ہوتی ہے۔اگر کلام دو مختلف جملوں پر مشتمل ہو تو ان دونوں میں اثبات کے بعد بھی لکن کے ذریعے استدراک درست ہوتا ہے۔جیسا کہ تیرا قول **جاء نی زید بل عمرو لم یات** (میرے پاس زید آیا لیکن عمرو نہیں آیا) اس قول میں عمرو لم یات منفی جملہ ہے جبکہ لکن سے ماقبل جملہ مثبت ہے۔پس (دونوں میں) اختلاف واقع ہے۔تمہارے اس قول (**لکن لم یات عمرو**) میں عمرو ابتداً مرفوع ہے۔جبکہ اس کی خبر نہیں ہے۔اسی طرح تمہارے قول **ضربت زیدا لکن لم اضرب عمراً** میں عمر، لم اضرب کے فعل کے ساتھ مفعول ہو کر منصوب ہے۔اور حرف عطف کا اس میں کردار نہیں ہے۔جیسا کہ تیرے اس قول میں ہوگا۔**ما ضربت زیدا لکن عمراً** ایسے ہی امام عبدالقاہر نے ذکر کیا ہے۔

پس اس سے واضح ہوا کہ ان کا قول (استدراک بعد النفی) صرف عطف مفرد علی المفرد کے لیے خاص ہے۔ اور اس سے جملہ کا جملہ پر عطف مراد نہیں۔

دوسرا (فرق یہ ہے کہ) اس کلمہ کے ذریعے استدراک کا مقصود و موجب اس کے بعد آنے والے کا اثبات ہوتا ہے۔ جہاں تک اس سے اول کی نفی کا تعلق ہے تو وہ اس کے احکام میں سے نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت علیحدہ دلیل کے ذریعے ہوتا ہے۔اور وہ (دلیل) اس میں صریح طور پر اس کے وجود کی نفی ہوتی ہے۔جبکہ کلمہ

بل میں اس کےخلاف اول کی نفی کا ایجاب لغوی وضع کے اعتبار سے ہوتا ہے اور ثانی کا اثبات ہوتا ہے۔ تمہارے قول سے واضح ہے کہ **ما جاء نی زید لکن عمرو** (میرے پاس زید نہیں آیا لیکن عمرو آیا) میں زید کے آنے کی نفی اس کلام میں بالصراحت موجود ہے نہ کہ کلمہ لکن سے ثابت ہو رہی ہے چنانچہ اگر اس قول سے لکن عمرو کا حصہ ساقط کر دیا جائے تو بھی (زید کے آنے کی) نفی ثابت رہے گی لیکن تمہارے قول **جاء نی زید بل عمرو** ۔(میرے پاس زید نہیں آیا بلکہ عمرو آیا) میں زید کے آنے کی نفی کلمہ بل کے ذریعے بھی ہو رہی ہے نہ کہ کلام میں اس کی کوئی صراحت موجود ہے پس اگر اس میں بل عمرو کے الفاظ کو ساقط کر دیا جائے تو (زید کے آنے کی) نفی ثابت نہیں ہوگی بلکہ اس کا الٹ ثابت ہوگا۔حالانکہ اس کے (نہ آنے) کا ثبوت ہے۔پس ان دونوں میں باہمی فرق یہی ہے۔

ان کا قول(**غیر ان العطف**) استثناء منقطع ہے لیکن کے معنی سے جو ان کے قول(**لکن وضع للاستدراک بعد النفی**) میں بیان ہوئے ہیں۔اس کی تقدیر کلام یہ ہے کہ (**ولکن للعطف بطریق الاستدراک بعد النفی الا ان العطف بھذا الطریق انما یستقیم عند اتساق الکلام**) (لکن عطف کے لیے نفی کے بعد استدراک کے طریق سے ہے مگر اس طریق سے عطف صرف کلام کے باہم مربوط ہونے کی صورت میں ہوتا ہے)**اتساق الکلام** سے مراد اس کا منظّم ہوتا ہے۔اس کے دو طریقے ہیں۔ پہلا یہ کہ کلام کا ایک حصہ دوسرے سے متصل ہو اس کے درمیان کوئی تفریق وانفصال نہ ہو تا کہ عطف کا وجود وثبوت ہو۔دوسرا یہ کہ محل اثبات محل نفی کے علاوہ ہو(یعنی جس چیز کی نفی کی گئی ہو وہ اور ہو جس کا اثبات کیا گیا ہو وہ کوئی اور چیز ہو) تا کہ ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت ممکن ہو سکے اور کلام کا آخری حصہ،اول حصے کے متصادنہ ہو جیسا کہ تیرا یہ کہنا **ما جاء نی زید لکن عمرو** (میرے پاس زید نہیں آیا لیکن عمرو آیا) میں زید کے آنے کی نفی اور عمرو کا اثبات ہے۔دونوں میں کوئی تضاد نہیں لہذا یہاں لکن عطف کے لیے ہے۔پس جب ان دونوں معانی میں کوئی بھی نہ ہو تو کلام میں نظم وربط ثابت نہیں ہوتا تو استدراک درست نہیں ہوگا۔چنانچہ اس صورت میں(لکن کے بعد) نیا کلام ہوگا۔"

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"واما لکن فھو کلمة موضوعة للاستدراک بعد النفی، تقول: ما رایت زیداً لکن عمرا، فالمعنی الذی تختص به ھذه الکلمة باعتبار اصل الوضع اثبات ما بعدھا فاما نفی ما قبلھا فثابت بدلیله بخلاف بل، قال تعالیٰ: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ ثم العطف بھا انما یکون عند اتساق الکلام فان وجد ذلک کان لتعلیق النفی بالاثبات الذی بعدھا والا کانت للاستئناف." (۴٦)

جہاں تک لکن کا تعلق ہے وہ کلمہ ہے جو نفی کے بعد استدراک (کے معنی دینے) کے لیے (لغت میں) وضع ہوا ہے۔تو کہتا ہے:(ما رایت زیدا لکن عمرا) چنانچہ لغوی وضع کی بنیاد پر اس کلمہ کے ساتھ جو معنی مخصوص کیے جاتے ہیں وہ بل کے خلاف اس کے بعد آنے والی چیز کا اثبات ہے جہاں تک اس سے ماقبل کی نفی کا تعلق ہے تو وہ کلام کی دلیل سے ثابت ہوتی ہے (نہ لکن کے ذریعے اس کا ثبوت ہوتا ہے) فرمان الٰہی ہے:

(انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ کے ان کو قتل کیا اور تو نے نہیں مارا جب تو نے مارا بلکہ اللہ نے مارا)

اس (لکن) کے ذریعے عطف صرف اس وقت ممکن و درست ہوگا جب کلام منظم ہو اور اس کی صورت یہ ہوگی ہے کہ نفی، لکن کے بعد آنے والے اثبات پر معلق ہو۔ورنہ دوسری صورت میں (بعد والا) نیا کلام ہوگا۔"

علامہ نسفی بھی فخر الاسلام کی اتباع میں اسی طرح فرماتے ہیں جس کی شرح میں ملا جیون زیادہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"(ولکن للاستدراک بعد النفی) ای دفع توهم ناشیء من ا لکلام السابق کقولک ما جاء زید، فأوهم ان عمروا ایضا لم یجیء لمناسبة وملازمة بینهما فاستدرکت بقولک: لکن عمرا، وهی ان کانت مخففة فهی عاطفة، وان کانت مشددة فهی مشبهة مشارکة للعاطفة فی الاستدراک ثم ان کان عطف مفرد علی مفرد یشترط وقوعها بعد النفی، وان کان عطف جملة علی جملة یقع بعد النفي جمیعا (غیر ان العطف انما یصح عند اتساق الکلام والا فهو مستانف) یعنی ان لکن وان کانت للعطف لکن العطف انما یصح اذا کان الکلام متسقا مرتبطا ونعنی بالاتساق ان یکون لکن موصولا بالکلام السباق، ولا یکون نفی فعل واثباته بعینه بل یکون النفی راجعا الی شیء والاثبات الی شیء اخر، وان فقد احد الشرطین فحینئذ یکون الکلام مستانفا مبتدا لا معطوفا." (۴۷)

"(ولکن للاستدراک بعد النفی) یعنی سابقہ کلام سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنا جیسا کہ تیرا قول (ما جاء نی زید) سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ شاید عمر بھی نہیں آیا ان دونوں کے باہمی تعلق اور ہمیشہ ساتھ ہونے کے باعث تو تو نے اپنے قول کے ذریعے (اس وہم کا) تدارک کیا لکن عمرا لکن اگر مخففہ ہو تو عطف کے لیے ہوتا ہے اور اگر متشدد ہو (لکنّ ہو) تو وہ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے لکن استدراک وعطف کے ساتھ مشترک ہے۔پھر اگر مفرد کا مفرد پر عطف ہو تو اس کا وقوع نفی کے بعد آنے سے مشروط ہے اور اگر جملے کا جملے پر عطف ہو تو یہ سب کی نفی کے بعد واقع ہوتا ہے۔

(غیر ان العطف انما یصح عند اتساق الکلام والا فهو مستانف) یعنی اگرچہ لکن عطف کے

لیے ہے لیکن عطف تب درست ہوگا جب کلام ارتباط و نظم کے اعتبار سے درست ہو۔ اتساق سے ہماری مراد یہ ہے کہ لکن سابق کلام سے متصل ہو۔ یہ نہیں کہ کسی ایک ہی فعل کی نفی اور اثبات بیک وقت ہو رہا ہو بلکہ نفی کا تعلق کسی اور چیز سے ہو اور اثبات کا تعلق کسی دوسری چیز سے۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے تو اس صورت میں نیا کلام شروع ہوگا نہ کہ وہ معطوف ہوگا۔''

لکن مشددہ جو حرف مشبہ بالفعل سے ہے لیکن استدراک کے معنی میں لکن مخففہ عاطفہ کے ساتھ شریک ہے کی مثال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ (۴۸)

''سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔''

اور لکن مخففہ جو استدراک کے معنی میں ہے اور حروف عاطفہ میں ہے اس کی متعدد مثالیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ (۴۹)

''آپ کو کافروں کی شہروں میں آمد و رفت دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ معمولی سامان ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کا تقوی اختیار کیا ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی طرف سے مہمان نوازی ہوگی اور اللہ کے پاس نیکوں کے لیے خیر ہے۔''

سورہ التوبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (۵۰)

''وہ راضی ہو گئے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہوں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ پس وہ نہیں سمجھیں گے۔ لیکن رسول اور جو ان کے ساتھ ہیں انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ۔ یہی ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی ہیں جو کامیاب لوگ ہیں۔''

مذکورہ بالا دونوں مثالیں عطف جملہ علی الجملہ کی ہیں ایسی صورت میں لکن سے ماقبل کلام منفی اور مثبت دونوں ہو سکتے

ہیں۔(۵۱)

أو:

کلمہ اُو بھی حروف عاطفہ میں سے ہے جب کلمہ اُو دو اسموں یا دو فعلوں کے درمیان واقع ہو تو ان دونوں میں سے ایک کو شامل ہوگا یعنی معطوف علیہ اور معطوف ان دونوں میں سے بغیر کسی ایک کی تعین کے کوئی ایک مراد ہے۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"واما أو فانها تدخل بين اسمين او فعلين فيتناول احد المذكورين هذا موضوعها الذى وضعت له يقال جاء نى زيد او عمرو اى احدهما." (۵۲)

"اور جہاں تک او کا تعلق ہے تو یہ دو ناموں یا دو فعلوں کے درمیان داخل ہوتا ہے اور دونوں مذکور چیزوں میں سے ایک کو شامل ہوتا ہے یہ لغوی اعتبار سے اس کے لیے وضع ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے میرے پاس آیا زید یا عمرو یعنی ان دنوں میں سے ایک آیا۔"

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قوله (واما أو) اعلم ان كلمة او تدخل بين اسمين او اكثر كقولك: جاء نى زيد او عمرو او بين فعلين او اكثر كقوله تعالى: ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ﴾ (التوبة: ۸۰) و قوله عز اسمه: ﴿وَ لَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِيَارِكُمۡ﴾ (النساء: ۶۶) و كقولك: كل السمك او اشرب اللبن فيتناول احد المذكورين: هذا موجب هذه الكلمة باعتبار اصل الوضع لانها فى مواضع استعمالها لا تخلوا عن هذا المعنى فعرفنا انها وضعت له قال الله تعالىٰ: ﴿فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَهۡلِيۡكُمۡ اَوۡ كِسۡوَتُهُمۡ اَوۡ تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ﴾ (المائده: ۸۹) والواجب احد الاشياء حتى كفر بالانواع كلها موديا بأحد الانواع لا بالجميع كما قاله البعض: وكذلك فى قوله تعالىٰ: ﴿فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ﴾ (البقرة: ۱۹۶) الواجب واحد منها." (۵۳)

اس کا قول (واما او) جان لو کہ کلمہ اُو دو یا دو سے زیادہ اسموں کے درمیان داخل ہوتا ہے جیسا کہ تیرا کہنا (جاء نى زيد او عمرو) یا دو یا دو سے زیادہ فعلوں کے درمیان آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ﴾ (التوبة: ۸۰) اگر تم استغفار طلب کرو یا نہ طلب کرو۔ اور اللہ جل

شانہ کا قول ہے:﴿وَ لَوْ اَنَّا کَتَبْنَا عَلَیْھِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِکُمْ﴾ (النساء:٦٦) اگر ہم نے ان پر لازم کر دیا ہوتا کہ اپنے نفسوں کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکلو۔ اور تیرا قول: مچھلی کھاؤ یا دودھ پیو تو یہ دونوں مذکورہ چیزوں میں سے ایک کو شامل کرتا ہے۔ اس کلمہ کی اصل وضع کے اعتبار سے اس کے موجب یہی معنی ہیں کیونکہ یہ اپنے مختلف استعمال کے مواضع میں ان معانی سے علیحدہ نہیں ہوتا پس ہمیں اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ان معنی کے لیے وضع ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پس اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل خانہ کو کھلاتے ہو یا ان کا لباس دینا یا گردن کا آزاد کرنا۔ (المائدہ:۸۹) ان میں ایک چیز ہی سے کفارہ کا وجوب ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے تمام (مذکورہ) انواع سے کفارہ ادا کیا تو اس کے کفارہ کی ادائیگی کو کسی ایک نوع سے ہی ادا مانا جائے گا نہ کہ جمیع انواع کے باعث جیسا کہ بعض نے یہ قول اختیار کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ﴾ (البقرۃ : ۱۹۶) ان میں سے ایک ہی واجب ہوگا۔“

علامہ عبدالعزیز بخاری نے اس کی بھی وضاحت فرما دی کہ کفارہ یمین اور عذر کی وجہ سے حلق راس کا کفارہ جس میں چند چیزوں کا ذکر ہے اور کلمہ او کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے تو اس سے مراد ان چند چیزوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ کفارہ ادا کرنا ہے۔ اور کفارہ صرف ایک ہی سے واقع ہوگا۔ علماء احناف کا یہی مذہب ہے۔

علامہ سرخسی فخر الاسلام کی تائید میں فرماتے ہیں:

” واما او فھی کلمة تدخل بین اسمین او فعلین، وموجبھا باعتبار اصل الوضع یتناول احد المذکورین: بیانه فی قوله ﴿مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُھُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ﴾ فان الواجب فی الکفارة احد الاشیاء المذکورة مع اباحة التکفیر بکل نوع منھا علی الانفراد، ولھذا لو کفر بالانواع کلھا کان مودیا للواجب باحد الانواع فی الصحیح من المذھب، بخلاف کما یقوله بعض الناس و قد بینا ھذه، وکذلک فی قوله تعالی فی کفارة الحلق. ﴿فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ﴾ وفی جزاء الصید: ﴿ھَدْیًا بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ اَوْ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا﴾. “ (۵۴، ۵۵)

”اور جہاں تک کلمہ اُو کا تعلق ہے تو یہ دو اسموں یا فعلوں کے درمیان داخل ہوتا ہے اور اصل وضع (یعنی لغت میں اس کی معنوی بنیاد) کے اعتبار سے یہ جو دو مذکورہ چیزوں میں سے ایک کو شامل

ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں، (اوسط درجے کا کھانا جو تم اپنے اہل خانہ کو کھلاتے ہو یا ان کا لباس یا غلام کا آزاد کرنا۔) مذکورہ اشیاء میں سے ایک کے ذریعے کفارہ واجب ہوتا ہے البتہ انفرادی طور پر ہر ایک کے ذریعے کفارہ ادا کرنا مباح ہے۔ اس لیے اگر کسی لیے تمام انواع مذکورہ سے بیک وقت کفارہ ادا کیا تو مذہب صحیح کے مطابق ان انواع میں سے ایک کے ذریعے ہی کفارہ ادا سمجھا جائے گا بعض لوگوں کے قول کے برخلاف۔ ہم نے اس کو واضح کر دیا ہے۔
حلق کے کفارہ کے بارے اللہ تعالیٰ کا فرمان میں (بھی) یہی ہے۔
﴿فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ﴾ پس فدیے کا روزہ رکھنا یا صدقہ دینا یا قربانی کرنا۔
شکار کرنے کا کفارہ کے بارے ارشاد ہے: ﴿هَدۡيًا بٰلِغَ الۡكَعۡبَةِ اَوۡ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيۡنَ اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾."

حتّٰی:

حتّٰی کے حقیقی معنی غایت کے ہیں اور کبھی کلمہ حتّٰی غایت کے ساتھ ساتھ عطف کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مگر یہ استعمال مجازا ہوتا ہے۔ معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جس طرح ذکر اور حکم میں غایت مغیا کے بعد آتی ہے اسی طرح معطوف معطوف علیہ کے بعد آتا ہے اسی مناسبت کی وجہ سے حتی کو عطف کے معنی میں استعمال کرنا صحیح ہے۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"هذه كلمة اصلها للغايه فى كلام العرب هو حقيقة هذا الحرف لا يسقط ذلك عنه الا مجازا ليكون الحرف موضوعا لمعنى يخصه وقد وجدناها تستعمل للغاية لا يسقط عنها ذلك فعلمنا انها وضعت له فاصلها كمال معنى الغاية فيها وخلوصها لذلك بمعنى الى كقول الله ﴿حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ﴾." (۵۶)

کلام عرب میں اس کلمہ کی اصل غایت ہے۔ اس حرف کے حقیقی معنی یہی ہیں یہ معنی اس سے کبھی ساقط نہیں ہوتے سوائے اس کے یہ مجاز ہو۔ حرف جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو تو اس کے لیے خاص ہوتا ہے۔ ہم اسے غایت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہوا پاتے ہیں (اور) وہ ان (معنی) سے ساقط نہیں ہوتا چنانچہ ہم نے جان لیا کہ یہ اس کے لیے وضع ہوا اور اس کی اصل غایت کے معنی کا کمال ہے اور اس کے لیے خالص ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے معنی

ہیں: ﴿حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ انتہائے طلوع فجر تک۔"

اور پھر فرماتے ہیں:

"قد يستعمل للعطف لما بين العطف و الغايه من المناسبة مع قيام معنى الغاية تقول جاء نی القوم حتى زيد ورايت القوم حتى زيدا فزيدا ما افضلهم واما ارذلهم ليصلح غاية."(۵۷)

"یہ عطف کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جب عطف اور غایت کے درمیان (معنوی) مناسبت ہو ساتھ اس کے کہ غایت کے معنی قائم رہیں تو کہتا ہے: (جاء نی القوم حتى زيد) میرے پاس لوگ آئے یہاں تک زید آ گیا۔ (ورايت القوم حتى زيدا) میں نے لوگوں کو دیکھا یہاں تک کہ زید کو۔ زید یا تو ان کا افضل ترین فرد ہے یا رذیل ترین تا کہ غایت کے معنی درست ہو سکیں۔"

علامہ سرخسی زیادہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"واما حتى فهى للغاية باعتبار اصل الوضع بمنزله الى، هو المعنى الخاص الذى لاجله وضعت الكلمة، قال تعالى: ﴿هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ وقال تعالى: ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ﴾ (۵۸) وقال تعالىٰ: ﴿حَتّٰى يَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْ﴾ (۵۹) وقال تعالىٰ: ﴿حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (۶۰) فمتى كان ما قبلها بحيث يحتمل الامتداد وما بعدها يصلح للانتهاء به كانت عاملة فى حقيقة الغاية"(۶۱)

"جہاں تک حتی کا تعلق ہے تو وہ اصل وضع کے اعتبار سے الی کی طرح غایت کے لیے ہے۔ یہ اس کے خاص معنی ہیں جس کے لیے یہ کلمہ وضع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ یہ طلوع فجر تک ہوتا ہے۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ﴾ یہاں تک یہ وہ اپنے ہاتھوں جزیہ دیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: (یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت دے دیں) اور فرمان الٰہی ہے: (یہاں تک کہ تیرے پاس یقین آ جائے۔) حتّی سے قبل ہو وہ اس طرح ہوتا ہے کہ طویل زمانہ تک جاری رہنے کا احتمال رکھتا ہے اور جو اس کے بعد ہوتا ہے اس پر انتہاء ہوتی ہے۔ جو حقیقت غایت کا بیان کرتی ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

"وقد تستعمل الكلمة للعطف فان بين العطف والغايه مناسبة بمعنى التعاقب ولكن مع وجود معنى الغاية فيها. يقول الرجل (جاء نى القوم حتى زيد ورايت القوم حتى زيدا فيكون للعطف مع اعتبار معنى الغاية لانه يفهم بهذا ان زيدا افضل القوم اوارذلهم ." (٦٢)

''یہ کلمہ (حتی) عطف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔عطف اور غایت میں تعاقب کے معنی کی مناسبت ہوتی ہے۔(یعنی عقب میں آتا ہے ترتیب، جمع اوراشتراک پر دلالت کرتا اور غایت میں عقب کے معنی ہوتے ہیں جو عطف میں بھی پائے جاتے ہیں) لیکن غایت کے معنی موجود رہتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص کہتا ہے (میرے پاس قوم آئی یہاں تک زید) اور (میں نے قوم کو دیکھا یہاں تک زید کو) پس اس میں عطف کے معنی ہیں اس کے ساتھ ساتھ غایت کے معنی کا بھی اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس جملہ سے وہ فہم حاصل ہوتا ہے کہ زید قوم کا افضل یا ارذل فرد ہے۔''

حتی عاطفہ قرآن کریم میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے ذکر فرمایا ہے۔اس لیے اس کی تفصیل ترک کی جاتی ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں:

"وترد عاطفة، ولا اعلمه فى القرآن، لان العطف بها قليل جدا." (٦٣)

اسے عطف کے معنی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔اوراس معنی میں قرآن میں استعمال ہونے کو میں نہیں جانتا۔کیونکہ اس کے ذریعے عطف بہت کم ہوتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن عقیل، عبداللہ، شرح ابن عقیل علی الفیہ ابن مالک، تحقیق: محمد محی الدین عبدالمجید، انتشارات ناصر خسرو، طہران، ۱۳۸۴ھ، ۱/۱۵

۲۔ جرجانی، سید شریف، علی بن محمد، کتاب التعریفات، مطبع خیریہ، طہران، طبع اول، ۱۳۰۶ھ، ص ۳۸

۳۔ سیوطی، عبدالرحمٰن، جلال الدین، الاشباہ والنظائر فی النحو، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۹۰ء، ۲/۱۰، ۱۱

۴۔ تھانوی، محمد اعلیٰ، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، تحقیق: ڈاکٹر علی دحروج، ڈاکٹر عبداللہ خالدی، ڈاکٹر جارج زیناتی، مکتبہ لبنان، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۶ء، ۱/۶۵

۵۔ مصطفیٰ، جمال الدین، البحث النحوی عندالاصولیین، دار الھجرۃ قم، طبع دوم، ۱۴۰۵، ص ۱۹۹

۶۔ بخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ۲/۱۶۰

۷۔ بزدوی، علی بن محمد، کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، کراچی، امیر محمد کتب خانہ، س۔ن، ص ۹۶

۸۔ کشف الاسرار، ۲/۱۸۹

۹۔ سرخسی، محمد بن احمد، اصول، دار المعارف النعمانیہ، طبع اول، ۱۹۸۱ء، ۱/۲۲۲ ۱۰۔ کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ۱/۲۹۴

۱۱۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۹۴

۱۲۔ ابن حزم، ابو محمد علی، الاندلسی، الظاہری، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الحدیث بجوار ادارہ الازہر، طبع اول، ۱۹۸۴ء، ۱/۵۱

۱۳۔ جوینی، عبدالملک بن عبداللہ، امام الحرمین، البرہان فی اصول الفقہ، تحقیق: ڈاکٹر عبدالعظیم محمود، دار الوفاء، قطر، طبع سوم، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء، ۱/۱۳۹

۱۴۔ ابن ہشام، جمال الدین، مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب، تحقیق: ڈاکٹر مازن المبارک، سعید افغانی، چاپ بہمن، طبع سوم، ۱۹۶۷ء، ص ۲۱۴

۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: اصول بزدوی مع کشف الاسرار، ۲/۱۸۹-۱۹۵

اصول سرخسی، ۱/۲۲۲، ۲۲۳

آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/۹۶

نسفی، کشف الاسرار، ۱/۲۹۴-۲۹۷

مغنی اللبیب، ۲۱۴-۲۲۳

۱۶۔ اصول سرخسی، ۲/۲۲۳

۱۷۔ البرہان، ۱/۱۳۹

۱۸۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/۵۱

۱۹۔ البرہان، ۱/۱۳۹

۲۰۔ اصول بزدوی، ص ۹۷

۲۱۔ کشف الاسرار، ۲/۱۹۶

۲۲۔ اصول سرخسی، ۲/۲۲۳

۲۳۔ اصفہانی، راغب، ابوالقاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق: صفوان عدنان الداودی، دار القلم بیروت، طبع اول، ۱۴۱۲ھ، ص ۱۷۶

۲۴۔ القرآن ۲۰:۸۲

۲۵۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/۹۷

۲۶۔ القرآن ۹۰:۱۱-۱۷

۲۷۔ اصول بزدوی، ۹۸

۲۸۔ کشف الاسرار، ۲/۱۹۸

۲۹۔ اصول سرخسی، ۲/۲۲۴

۳۰۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/۹۷

۳۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

اصول بزدوی مع کشف الاسرار، ۲/۱۹۶-۲۰۰

اصول سرخسی، ۱/۲۲۳، ۲۲۴

آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ۹۷/۱
۳۲۔ اصول بزدوی، ۹۸
۳۳۔ کشف الاسرار، ۲۰۱/۲
۳۴۔ القرآن ۳۴: ۳۲
۳۵۔ ایضا ۳۴: ۳۳
۳۶۔ اصول سرخسی، ۲۲۵/۲
۳۷۔ البرہان، ۱۴۵/۱
۳۸۔ القرآن ۸۷: ۱۳-۱۵
۳۹۔ ایضا ۲۱: ۲۶
۴۰۔ مغنی اللبیب، ۱۵۱، ۱۵۲
۴۱۔ مفردات، ۱۴۱
۴۲۔ ایضا
۴۳۔ ایضا، ۱۴۲
۴۴۔ اصول بزدوی، ۱۰۰
۴۵۔ کشف الاسرار، ۲۰۸/۲، ۲۰۹
۴۶۔ اصول سرخسی، ۶۲۶/۱
۴۷۔ شرح نورالانوار، ۳۰۵/۱، ۳۰۶
۴۸۔ القرآن ۲: ۱۰۲
۴۹۔ ایضا ۳: ۱۹۶-۱۹۸
۵۰۔ ایضا ۹: ۸۷-۸۸
۵۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، ۵۲۱/۱، ۵۲۲
۵۲۔ اصول بزدوی، ۱۰۰، ۱۰۱
۵۳۔ کشف الاسرار، ۲۱۳/۲
۵۴۔ اصول سرخسی، ۶۲۷/۱
۵۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: اصول بزدوی مع کشف الاسرار، ۲۱۳/۲ - ۲۳۷

اصول سرخسی، ۲۲۷/۱-۲۳۲ نسفی، کشف الاسرار، ۳۰۸-۳۲۵

شرح نورالانوار مع کشف الاسرار، ۳۰۸-۳۲۵ المغنی اللبیب، ۸۷-۹۵

الاتقان فی علوم القرآن، ۴۸۰/۱، ۴۸۱

۵۶۔ اصول بزدوی، ۱۰۵
۵۷۔ ایضا
۵۸۔ القرآن ۹: ۲۹
۵۹۔ ایضا ۱۲: ۸۰
۶۰۔ ایضا ۱۵: ۹۹
۶۱۔ اصول سرخسی، ۲۳۲/۱
۶۲۔ ایضاً
۶۳۔ سیوطی، عبدالرحمٰن، جلال الدین، الاتقان، بیروت، دارالکتب العربی، طبع اول، ۱۹۹۰ء، ۴۹۳/۱